Majallah-yi Talim o Tahqiq

مجلہ تعلیم و تحقیق

Markaz Talim o Tahqiq, Gulshan-e-Taleem,
Sector H-15, Islamabad, Pakistan

مرکز تعلیم و تحقیق، گلشنِ تعلیم، ایچ۔۱۵، اسلام آباد، پاکستان

ISSN (P): 2618-1355, ISSN (Online): 2618-1363

Issue 2, Vol 7 , April- June,2025

شمارہ ۲، جلد ۷، اپریل—جون، ۲۰۲۵

مغربی ممالک میں مقیم مسلم اقلیتوں کے سماجی مسائل: اسباب، اثرات اور حل

محمد سلیمان[1]

مفتی وصی الرحمٰن[2]

Abstract

Islam is a universal and all-encompassing religion that possesses the ability to guide humanity in every era and under all circumstances. The life of the Prophet Muhammad ﷺ was also made to pass through various testing phases so that his noble example would be available to the Ummah in every kind of situation. The Makkan period provides guidance for those Muslims who live as minorities in non-Muslim majorities, while the early Madinan period and the migration to Abyssinia serve as models for Muslims living peacefully among non-Muslims under agreements of mutual coexistence and religious freedom. Today, more than half of the world's Muslim population resides in countries where non-Muslims are the majority, and they face numerous new challenges — prominently including issues related to halal and haram, family life, economics, and politics.

To address such challenges, scholars and jurists have introduced a new branch of jurisprudence known as *Fiqh al-Aqalliyat* (Jurisprudence of Muslim Minorities), which provides Islamic guidance based on the specific conditions and needs of Muslims living as minorities. In various parts of the world — such as India, Europe, America, China, and Canada — Muslims have settled for employment, education, and other necessities of life. These minority communities encounter unique societal and legal challenges, which necessitate specialized Islamic rulings. Therefore, *Fiqh al-Aqalliyat* has become a highly important field in contemporary times, and the present paper focuses on analyzing these pressing issues.

Keywords: Islamic universality, Prophetic example, Makkan period, Madinan period, Migration to Abyssinia, Muslim minorities, Non-Muslim majority societies, Halal and haram issues, Family issues, Economic challenges,

[1] ۔ایم فل اسکالر رفاہ انٹر نیشنل یونیورسٹی اسلام آباد

[2] ۔ایم فل اسکالر رفاہ انٹر نیشنل یونیورسٹی اسلام آباد

اقلیت کا مفہوم

- **اقلیات کا لغوی مفہوم:** لفظ اقلیت (Minority) اکثریت (Majority) کی ضد ہے دراصل اقلیات جمع ہے اور اس کا واحد اقلیت ہے، اقلیت اکثریت کے خلاف استعمال ہوتا ہے۔[3] اور اقلیت کا لفظ قلت سے ماخوذ ہے جس کے معنی ناقص و نامکمل ہونے یا نادر و نایاب ہونے کے آتے ہیں۔[4]

آکسفورڈ انگلش ڈکشنری میں یہ معنی اس طرح بیان کیئے گئے ہیں:

"Minority the condition or fact being smaller,inferior or subordinate .A small group people seprated from the rest of the community by a difference in race, religion,language etc.[5]

ترجمہ: لفظ اقلیت اکثریت کے مدمقابل کے ہیں، یہ لفظ اگر انسانوں کے کسی گروہ کے لئے استعمال کیا جائے تو اس کا مطلب ہے کہ ایسا انسانی گروہ جو باقی معاشرے سے نسلی، مذہبی یا لسانی اعتبار سے مختلف ہو اور عددی اعتبار سے معاشرے کے باقی گروہوں سے کم ہو۔

اقلیت کا اصطلاحی مفہوم:

اقلیت کے متعدد تعریفیں بیان کی گئی ہیں۔

ڈاکٹر علامہ یوسف القرضاوی رحمہ اللہ اقلیت کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ویراد بها:كل مجموعة بشرية في قطر من الاقطار ،تميز عن اكثرية اهله فى الدين ، اوالمذهب اوالعرق،اواللغة او نحو ذلک ،من الاساسيات التى تتمايز بها المجموعات البشرية بعضها عن بعض ۔[6] یعنی اس سے مراد کسی بھی ملک میں وہ انسانی گروہ ہے جو اپنے دین، مذہب، نسل، زبان یا کسی اور بنیادی واساسی چیز میں اس ملک کے اکثریتی گروہ سے مختلف ہو۔

ڈاکٹر جمال الدین عطیۃ اقلیت کی ایک جامع تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اقلیت ایک ایسے انسانی گروہ کا نام ہے، جو قومی، نسلی، مذہبی یا لسانی بنیاد پر متحد ہو اور ملک میں موجود دوسرے با اختیار گروہوں سے مختلف ہو۔[7]

مسلم اقلیت سے کیا مراد ہے؟

اس حوالے سے مولوی ذکی الرحمٰن غازی صاحب لکھتے ہیں کہ:

---

[3] ابن منظورافریقی،لسان العرب، ماده،قلل(بیروت لبنان ،دارصاد) ج 12،ص180

[4] ابراهیم مصطفى،المعجم الوسيط،الباب الاقليم(دار الدعوة)۔ج 2 ص 756

[5] (The Oxford English dictionary second edition ,vol ix,clarendon press Oxford.1989)

[6] يوسف القرضاوى،فى فقه الأقليات الاقليات المسلمة، ص 15

[7] فقہ الاقلیات، تعارف، تجزیہ اور حل، ص16

"مسلم اقلیت سے مراد ہر ایسا انسانی مجموعہ لیا جائے جو دین حق اسلام سے اطاعت کی نسبت رکھتا ہو اور ایک دوسرے انسانی جماعت کے ساتھ رہتا ہو جو کہ دینی لحاظ سے اس سے مختلف ہے، اور اس جماعت ہی کو مسلمان گروہ پر سیادت اور بالادستی حاصل ہو۔

مسلم اقلیت کی یہ تعریف جامع ومانع ہے۔اس تعریف کے ذریعے ممکن ہے کہ مسلم اقلیتوں کی جملہ اقسام واضافہ کا احاطہ ہو جائے، چاہے وہ عددی لحاظ سے اقلیت میں ہوں، یا سیاسی وحکومتی لحاظ سے اقلیت بن کر جینے پر مجبور ہوں، جیسا کہ البانیا اور نائیجیریا وغیرہ ملکوں کا حال رہا ہے ،اس تعریف کے ذریعے ہم ایسی مسلم اقلیتوں کو مستثنٰی کر دیتے ہیں جو عددی لحاظ سے اقلیت ہیں، لیکن ملکی نظم وانصرام اور ایوان حکومت پر انہی کا غلبہ ہے، جس کی وجہ سے انہیں اقلیت نہیں قرار دیا جا سکتا، جیسا کہ افریقی ملکی "غابون" کا کیس ہے۔ایسے ملکوں کو مسلمان ملک ہی کہا جائے گا۔[8]

اس تعریف سے بھی واضح ہوتا ہے کہ مسلم اقلیت ہونے کیلئے بس اتنا کافی ہے کہ اقلیتی طبقہ دین اسلام کا ماننے والا ہو اور اکثریتی طبقے کو اس پر سیاسی اور حکومتی غلبہ حاصل ہو۔

فقہ الاقلیات کا معنی ومفہوم

فقہ الاقلیات سے مراد غیر اسلامی ممالک میں آباد مسلمانوں کے مخصوص ماحول اور حالات کو پیش نظر رکھ کر فقہاء کی طرف سے دیئے جانے والے ان مسائل کے وہ حل ہیں جو مسلمانوں کو اس وقت درپیش ہیں۔[9]

مسلم اقلیتوں کو درپیش مسائل: ایک جائزہ

غیر مسلم ممالک میں جو مسلم اقلیتیں رہائش پذیر ہیں ان کو بہت سے مسائل کا سامنا ہے آئندہ سطور میں ان کے سماجی اور معاشرتی مسائل پر تفصیل سے بحث کی جائے گی۔

مسلم اقلیتوں کو درپیش سماجی مسائل:

غیر مسلم ممالک میں مسلم اقلیتوں کے سماجی مسائل میں سب سے پہلا مسئلہ سلام کا ہے۔

- **غیر مسلموں کو سلام کا حکم**

اس میں دو رائے قابل ذکر ہیں:

1. بعض فقہائے کرام کی رائے یہ ہے کہ غیر مسلم کو سلام کرنا جائز نہیں ہے۔

---

8 ذکی الرحمن فلاحی مدنی، مسلم اقلیتوں کے شرعی مسائل (المنار پبلشنگ ہاؤس)، اشاعت 2012ء، ص 87

9 نصرت جبین، فقہ الاقلیات، معارف مجلہ تحقیق (جولائی۔دسمبر 2015ء 67)

شریعت نے مسلمانوں کو سلام اپنے درمیان عام کرنے کا حکم دیا ہے، اس لئے غیر مسلم کو سلام نہیں کیا جائے گا۔ اس کی تائید میں درج ذیل دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔

پہلی دلیل حضرت ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

عن أبي هريرة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:لا تبدءوا اليهود، والنصارى بالسلام، وإذا لقيتم أحدهم في الطريق فاضطروهم إلى أضيقه.[10]۔یہود و نصاری کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو، ان میں سے کسی سے راستہ میں تمہاری ملاقات ہو جائے تو اسے اس کے تنگ حصہ میں چلنے پر مجبور کرو۔

حدیث کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہود و نصاری کو سلام کرنے میں پہل نہ کیا جائے اور انہیں راستہ کے کنارے سے چلنے پر مجبور کیا جائے گا۔ اس حدیث کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ انہیں راستہ سے دھکادے کر کنارے کر دیا جائے تاکہ وہ آسانی سے نہ چل سکیں بلکہ بھیڑ اور اژدحام ہو تو ان کے احترام خود کنارے ہو کر انہیں درمیانی راستہ نہ دیا جائے بلکہ اسی زحمت اور تنگی سے گزرنے دیا جائے۔[11]

دوسری دلیل یہ ہے کہ: سلام ایک دعا ہے اس سے اپنے مسلمان بھائی کے حق میں دعا کی جاتی ہے، اس وجہ کسی مسلمان کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کافر کو سلام کرے،

جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ۔[12]پیغمبر اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکین مغفرت کی دعا مانگیں اگرچہ وہ رشتہ دار ہی ہوں اس امر کے ظاہر ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں۔

تنویر الابصار اور رد المختار میں ہے کہ:

(ولو سلم على الذمي تبجيلا يكفر) لان تبجيل الكافر كفر[13]

ترجمہ: اگر مسلمان کسی ذمی کافر کو تعظیم کی نیت سے سلام کرے تو وہ کافر ہو جائے گا اس لئے کہ کافر کی تعظیم کفر ہے۔ لہٰذا اس معلوم ہوا کہ جب کسی ذمی کافر کو سلام کرنا جائز نہیں ہے تو حربی کافر کو تو بدرجہ اولیٰ جائز نہیں ہے۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے کہ:

[10]محمد بن عيسى ، سنن ترمذى،باب ماجاءفى التسليم على اهل الكتاب،(بيروت،دار الغرب الإسلامي)، ج3،ص206

[11] سید جلال الدین عمری، غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق، ص 117

[12] التوبة :113

[13] علامه حصكفى،الدر المختار شرح تنوير الأبصار، باب الاستبراء وغيره(دار الكتب العلمية)1423ھ-2002م،ج1ص666

وَلَا يَبْدَؤُهُمْ بِالسَّلَامِ وَيُرَدُّ عليهم بِقَوْلِهِ وَعَلَيْكُمْ فَقَطْ۔[14]

ترجمہ: غیر مسلموں کو ابتداءً سلام کرنا جائز نہیں ہے البتہ اگر وہ سلام کرے تو جواب میں صرف "وعلیکم" کہہ سکتے ہیں

سماجی تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے غیر مسلموں کو سلام کرنے کا جواز

بعض فقہائے کرام کی رائے یہ ہے کہ مسلمانوں کے مابین سلام کو عام کرنے کا حکم ہے غیر مسلموں کے بارے میں اس طرح حکم نہیں ہے۔البتہ اگر کسی غیر مسلم معاشرہ میں مسلمان رہ رہے ہیں اور سماجی تقاضوں کو مد نظر رکھ کر غیر مسلم کو سلام کرے تو جائز ہے۔ [15]

علامہ شامیؒ کی بھی یہی رائے ہے وہ کہتے ہیں کہ:

(تبجيلا) قال في المنح قيد به لأنه لو لم يكن كذلك بل كان لغرض من الأغراض الصحيحة فلا بأس به ولا كفر۔[16]

اگر کوئی مسلم کسی صحیح مقصد و غرض کو ملحوظ نظر رکھ کر غیر مسلم کو سلام کرے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

2:دوسری رائے یہ ہے کہ غیر مسلموں کو سلام کرنا مشروع اور جائز کام ہے،اور اسمیں کوئی قباحت نہیں ہے۔یہ حضرات کہتے ہیں کہ جن روایات میں ممانعت وارد ہوئی ہے،ان کا حکم خاص ہے کسی خاص وقت یا حالات کے تناظر میں وارد ہوئی ہیں۔اور انہیں عام حالات پر حمل نہیں کیا جائے گا۔

اس حوالے سے ذکی الرحمٰن غازی اپنی کتاب "مسلم اقلیتوں کے شرعی مسائل" میں رقم طراز ہیں کہ:

"اس میں شک نہیں کیا جاسکتا کہ رحمۃ للعالمین نبی کریمؐ کے منہ سے اس قسم کا حکم عام حالات میں نہیں نکل سکتا،بلکہ وہ جنگی حالات ہونگے جہاں اس جیسا سخت حکم دیا گیا ہوگا،کیونکہ جنگی میدان میں صف آراء ہونے والے مخالفین اور دشمنوں کا خود مسلمانوں کے ساتھ یہی طرز عمل ہوتا تھا۔اس کے جواب میں مماثل معاملہ کرنے کی ہدایات اس حدیث میں دی گئی۔

عن عائشة رضي الله عنها أن اليهود دخلوا على النبي صلى الله عليه و سلم فقالوا السام عليك فلعنتهم فقال(ما لك)قلت أو لم تسمع ما قالوا ؟قال (فلم تسمعي ما قلت وعليكم[17]

ان تمام احادیث مبارکہ میں رسول پاکؐ نے یہ ھدایت دی ہے کہ غیر مسلم جب سلام کرے تو جواب میں صرف "وعلیکم" پر اکتفاء کرے۔

ذکی اکرحمٰن غازی لکھتے ہیں کہ "معلوم ہوا کہ ان تمام فرامین نبوی کے ورود کا سبب بعض مخصوص حالات تھے۔[18]

---

14 الفتاوى الهندية ، دار الفكر ، بيروت. لبنان1411ھ-1991م،ج2،ص250

15 جلال الدین عمری،غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق،ص120

16 ابن عابدين الشامى ،حاشية رد المختار على الدر المختار، دار الفكر للطباعة والنشر بيروت۔1421ھ- 2000م ،ج 6 ،ص 413

17 محمدبن اسماعيل،صحيح البخارى،باب فضل الجہادوالسير۔(القاهرة،دار التأصيل) 1433ھ ۔2012م،ج4،ص119

18 ذکی الرحمٰن مدنی، مسلم اقلیتوں کے شرعی مسائل،ص717

جو علمائے کرام غیر مسلموں کو سلام کرنے کے قائل ہیں وہ درج ذیل احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔

(1)عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھما فرماتے ہیں:۔

ردو السلام علی من کان یھودیاً او نصرانیاًاومجوسیاً،ذٰلک بان اللہ یقول(وَإِذَا حُيِّيتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا[19]

ترجمہ: سلام کا جواب دوا گرچہ سلام کرنے والا یہودی، نصرانی یا مجوسی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اور جب کوئی احترام کیساتھ تمہیں سلام کرے تو اس کو اس سے بہتر طریقے کے ساتھ جواب دو یا کم از کم اسی طرح جواب دو، اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔[20]

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کہ سلام کرنے کا حکم کسی خاص قوم تک خاص نہیں ہے بلکہ یہ عمومی حکم ہے کافر کو بھی سلام کیا جاسکتا ہے۔

(2)ان کی دوسری دلیل یہ ہے۔ کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام نے اپنے والد سے کہا تھا۔

قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَۚ-سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْؕ-اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا۔[21]

کہ سلام کرتے ہوئے کہا کہ میں جارہاہوں لیکن اپنے رب سے آپ کیلئے مغفرت کی دعا طلب کروں گا۔ چونکہ ابراہیمؑ نے اپنے کافر والد کو سلام کیا۔اس وجہ سے غیر مسلموں کو سلام کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین کا طرز عمل بھی جواز اور مباح ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

جیسا کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

عن رسول اللہ بمجلس فیہ اخلاط من المسلمین والمشرکین عبدۃ الاوثان والیھود وفی المجلس عبداللہ بن رواحۃ فسلم رسول اللہ علیھم۔[22]

کہ رسولؐ اللہ کا گزر ایک مجلس سے ہوا، جس میں مسلمان، مشرکین، بت پرست اور یہود وغیرہ مختلف الادیان لوگ بیٹھے تھے اس مجلس میں عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سب اہل مجلس پر سلام کیا۔

اس کے علاوہ وہ حدیث بھی تائید کیلئے پیش کیا جاتا ہے، جس میں ہے کہ:(ان السلام اسم من اسماءاللہ تعالیٰ وضعہ اللہ فی الارض فأفشواالسلام بینکم)۔[23]

ترجمہ: السلام اللہ تعالیٰ کے ناموں سے ایک نام ہے جو اس نے روئے زمین میں اتارا ہے، اس لئے تم سلام کو زیادہ سے زیادہ آپس میں پھیلاؤ۔

---

[19] محمد بن إسماعيل البخاری،الادب المفرد،(مکتبة المعارف للنشر) ١٤١٩هـ-١٩٩٨ م

[20] النساء:86

[21] المریم:47

[22] البخاري ،الادب المفرد،4566

[23] بخاری، الادب المفرد، 989

اور بھی بہت زیادہ تعلیمات نبوی کو پیش کیا جاسکتا ہے جن میں عمومی طور سے سلام کو عام کرنے اور پھیلانے کا حکم دیا گیا ہے، ان تمام احادیث سے یہ بات واضح ہے کہ سلام کو تمام انسانوں میں پھیلانے کا حکم دیا گیا ہے اور ایک خاص طائفے تک اس کو خاص کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔

خلاصہ بحث

سلام چونکہ اسلامی شعار ہے زیادہ تر سلف وخلف اس کے قائل ہیں کہ غیر مسلم کو سلام نہیں کیا جائے گا اور اس کے سلام کا جواب بھی وعلیک یا وعلیکم کی حد تک دیا جائے گا اس سے زیادہ نہیں۔ جن اصحاب نے اس سے اختلاف کیا ہے ان کے نزدیک سلام کو عام کرنے کا حکم ہے اس لئے غیر مسلم کو بھی سلام کیا جاسکتا ہے۔

ان سب اقوال کی روشنی ہم اگر دور حاضر ہم ایسے معاشرے کے بارے میں سوچیں جہاں مسلمانوں اور غیر مسلموں کا ملا جلا اور مخلوط معاشرہ ہو اور جہاں دونوں کے درمیان سماجی، ثقافتی، معاشی غرض مختلف نوعیت کے تعلقات موجود ہو۔ اگر اسی طرح معاشرہ میں کوئی مسلمان غیر مسلم کو مسنون طریقے سے سلام کرے تو یہ عمل خلاف سلف نہ ہوگا۔ یہ ممکن ہے کہ وہ آہستہ آہستہ اسلامی آداب سے مانوس ہو جائے۔ اور اسلام کی حقانیت اور معنویت ان پر زیادہ بہتر طریقہ سے واضح ہو جائے۔

غیر مسلموں سے مصافحہ کرنا

مسلم اقلیتوں کے سماجی مسائل میں سے یہ بھی ایک اہم مسئلہ ہے، کیونکہ جب مسلم اقلیتیں غیر مسلم معاشرہ میں زندگی گزارتے ہیں تو ان سے ملتے جلتے ہیں۔ اس نوعیت سے یہ مسئلہ قابل غور ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا غیر مسلموں سے مصافحہ کرنا جائز ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ غیر مسلموں سے بلا دینی یا دنیاوی ضرورت مصافحہ کرنا مکروہ ہے۔ اور یہی قول راجح ہے اور کراہت کی وجہ بھی علماء کرام نے بیان کیا ہے کہ مصافحہ اصل میں ایک طرح دلی رضامندی اور اندرونی محبت کا مظھر ہے اور یہ دلی محبت اللہ کے نافرمانوں اور شرک کی غلاظت وگندگی میں ڈوبے ہوئے انسانوں کیلئے رکھنا جائز نہیں ہے۔ لیکن اس سے استثنائی صورت بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر غیر مسلم سے مصافحہ کرنے میں کوئی مصلحت پائی جائے تو پھر جائز ہے۔ مثلاً اسلام کی دعوت دینا مقصود ہو یا اسلامی اخلاق وآداب سے متاثر کرانا مقصود اور یا کوئی دنیاوی مصلحت پائی جائے جیسا کہ کاروباری مصلحت ہو یا ضرر دفع کرنا مقصود ہو۔ ان مصلحتوں کو ملحوظ نظر رکھ کر غیر مسلموں سے مصافحہ کرنا بلا کراہت جائز ہوتا ہے۔ یہی اس مسئلے میں راجح مسلک ہے، مزید تفصیل درج ذیل ہیں۔

امام نخعی، امام مالک، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ بلا کسی ضرورت غیر مسلم سے مصافحہ کرنا جائز نہیں ہے۔

دوسری رائے امام حسن بصریؒ کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ مشرکین نجس ہیں اس لئے ان سے مصافحہ کرنا جائز نہیں ہے۔

ابن ابی شیبہؒ نے امام حسن بصریؒ کا قول ذکر کیا ہے کہ:

كان يكرهُ أن يصافح المسلم اليهودي والنصراني-[24]

---

[24] أبو بكر عبد الله بن محمد بن أبي شيبة، المصنف ابن ابى شيبه (دار كنوز إشبيليا) 1436هـ-2015م، ج14، ص247

ترجمہ: کہ مسلمان کیلئے مکروہ ہے کہ وہ کسی یہودی اور نصرانی سے مصافحہ کریں۔

انما المشرکون نجس فلا تصافحوهم فمن صافحهم فليتوضا۔[25]

ترجمہ: کہ مشرکین نجس ہوتے ہیں اس لئے ان سے مصافحہ نہ کرو اور جو ان سے مصافحہ کرے اسے چاہیئے کہ وہ وضو کرلے۔

سند کے اعتبار سے یہ دونوں روایات صحیح ہے لیکن بعض علماء نے اس روایت پر نقد کیا ہے جس میں مصافحے کے بعد وضو کا حکم ہے۔ کہ یہ روایت مبالغہ پر مبنی ہے کیونکہ اس بارے میں کتاب و سنت کی کوئی واضح نص وارد نہیں ہوئی ہے۔[26]

حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھما سے مجوسی کیساتھ مصافحے کے حوالے سے سوال کیا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔

كانوا يكرمون ان يصافحوا اليهود۔[27]

اس کے برخلاف اہل علم کی ایک جماعت غیر مسلموں سے مصافحہ کرنے کو جائز سمجھتی ہے۔ جیسا کہ امام سفیان ثوریؒ، عبدالرزاق صنعانیؒ ان لوگوں کے نزدیک یہودی یا نصرانی یا کسی اور کافر سے مصافحہ کرنا مطلقاً جائز ہے۔[28]

اور راجح بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ نہ مسلمانوں سے دشمنی کرتے ہیں اور نہ عملاً جنگ کرتے ہیں، ان سے صلہ رحمی کی جائے اور ان کیساتھ احسان کا معاملہ اختیار کیا جائے جیسا کہ سورہ ممتحنہ کی آیت سے واضح ہے کہ:

لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ[29]

ترجمہ: اللہ تمھیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرو جنھوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ نہیں کی ہے اور تمھیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ہے۔ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے:

ای لاینهاکم عن الاحسان الى الكفرة الذين لا يقاتلونكم فى الدين۔[30]

ترجمہ: کہ اللہ تعالیٰ ایسے کفار و مشرکین کے ساتھ تمھیں احسان کرنے سے منع نہیں کرتا ہے جو دین کی بنیاد پر تم سے دشمنی اور جنگ نہ کرتے ہوں۔

---

[25] مصنف ابن ابی شیبه،247/5

[26] ذکی الرحمٰن، مسلم اقلیتوں کے شرعی مسائل، ص732

[27] مصنف عبد الرزاق،372/10 ۔

[28] مصنف عبد الرزاق،117/6

[29] الممتحنة:8

[30] تفسیر ابن کثیر، ج 4، ص373

غیر مسلم کو مبارکباد دینا

غیر مسلم کو ایسے معاملات پر مبارکباد دینا جو ان کے عقائد سے متعلق نہ ہو بلکہ عام معاملات ہو جو سارے انسانوں کو پیش آتے ہو تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں، جیسے شادی پر مبارکباد دینا غیر مسلم کے ہاں بچے کی ولادت پر انہیں مبارکباد دینا کوئی غیر مسلم سفر سے لوٹنے پر اس کو مبارکباد دینا، اسی طرح عام مسائل جو سماج میں پائے جاتے ہیں، اس پر مبارکباد دی جاسکتی ہے۔البتہ امام احمدؒ سے ایک روایت میں اس کا مکروہ ہونا منقول ہے۔

علامہ ابن القیمؒ فرماتے ہیں:

کہ مسلمان کسی غیر مسلم کو مبارکباد دینے میں ایسے الفاظ استعمال نہ کرے جو محبت اور وفاداری پر دلالت کریں مثلاً غیر مسلم کو کہے کہ اللہ تمہیں معزز بنائے وغیرہ، اسی طرح الفاظ استعمال کرنا درست نہیں ہے۔

اور غیر مسلموں کو ان کے مشرکانہ وکافرانہ تہواروں پر انہیں مبارکباد دینا حرام ہے۔اس کی حرمت پر فقہاء کا اتفاق ہے۔ مثلاً غیر مسلموں کے مذہبی تہواروں یا روزوں پر انہیں مبارکباد دینا حرام ہے۔[31]

غیر اسلامی تہواروں میں شرکت

مسلمانوں کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ غیر مسلموں کی مخصوص عیدوں اور تہواروں میں ان کا ساتھ دے، یا ان کی مدد کرے یا جہاں غیر مسلم تہوار مناتے ہیں وہاں حاضر دے اور یہ اہل علم کا متفقہ مسئلہ ہے۔کیونکہ تہواروں میں غیر مسلم حضرات اسلامی نقطہ نظر سے ایک منکر اور جھوٹ کا ارتکاب کرتے ہیں۔اب اگر کوئی مسلمانوں ان کو ان کی غلطیوں پر ٹوکنے کے بجائے ان کی مدد کرے تو سمجھا جائے گا کہ وہ ان کے اس عمل سے راضی اور مطمئن تھا اور جو کسی ساتھ تشبیہ اختیار کرے وہ انہیں میں سے ہو جاتا ہے۔اس لئے غیر مسلموں کی مذہبی تہواروں میں شرکت کرنا شرعاً ممنوع ہے۔

جیسا کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

لاتدخلوا على المشركين في كنائسهم يوم عيدهم فان السخطة تنزل عليهم.[32]

ترجمہ: مشرکین کے تہواروں کے موقع پر ان کے عبادت خانوں میں مت جاؤ کیونکہ ایسے میں اللہ کی ناراضگی اور غضب ان پر نازل ہوتا ہے۔

اور امام بیہقیؒ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ:

اجتنبوا اعداء الله في عيدهم۔[33]

---

[31] ابن القیم، احکام اہل الذمۃ، ج 2، ص 258

[32] سنن بیہقی، 319/4 ۔

[33] سنن کبری، بیہقی، 16334

ترجمہ: دشمنانِ خدا کے تہواروں پر ان سے دوری اختیار کرلو۔

امام بیہقیؒ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ:

من بنی ببلاد الاعاجم و صنع نیروزهم ومهرجانهم وتشبه بهم حتی یموت وهو علی ذلک حشرمعهم ۔ [34]

ترجمہ: کہ اگر کوئی مسلمان کسی کافر ملک میں گھر بنالیتا ہے، ان کے تہواروں اور تقریبات کو مناتا ہے اور ان کی سی مشابہت اختیار کرلیتا ہے اور اسی حالت میں اسے موت آجاتی ہے تو انہی کے ساتھ اسکا حشر ہوگا۔

ان تمام روایات کو مدنظر رکھتے ہوئے اہل علم نے اجماع مانا ہے کہ غیر مسلموں کے تہواروں کے مواقع پر ان کے میلوں میں کوئی ایسی چیز بیچنا جس سے کوئی دینی رسم پوری ہوتی ہے، یا غیر اسلامی تہوار کی مناسبت سے انہیں ہدیہ دیا جائے یہ سب حرام ہے۔[35]

غیر مسلموں کی تقریبات میں شرکت کرنا

غیر مسلم ممالک میں رہنے والے مسلمان اقلیتوں کو اکثر سابقہ پیش آتا ہے کہ ان کے کسی غیر مسلم پڑوسی یا دوست نے اپنی تقریب نکاح میں یا کسی اور مناسبت پر دی جانے والی دعوت میں انہیں مدعو کرلیا۔

کیا غیر مسلموں کی تقریبات میں شرکت کرنا درست ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات سنت رسول ﷺ سے ثابت ہے کہ غیر مسلموں کی دعوتیں قبول کرنا جائز ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

ان یهودیاً دعاالنبی ﷺ الی خبز شعیرواهالة سنخة فاجابه۔[36]

ترجمہ: یقیناً ایک یہودی نے اللہ کے رسول ﷺ کو جو کی روٹی اور (متغیر بو والے تیل۔اھالۃ سنخۃ سالن کے روغن کے ہوتے ہیں جو چربی سے بنایا گیا ہو۔ جبکہ سنخۃ کا معنی ہے ایسا کھانا جس کی بو متغیر ہو گئی ہو)۔

کی دعوت کی تو آپ ﷺ نے اسے قبول فرمایا۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ غیر مسلموں کی دعوتیں قبول فرماتے تھے۔

[34] سنن بیہقی،19335

[35] ابن تیمیه ،اقتضاء الصراط المستقیم،ص 195احکام اہل الذمة،722/2

[36] مسند احمد،13224،ابن حبان،5293

علامہ ابن قدامہؒ نے "المغنی" میں لکھا ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم کسی مسلمان کو دعوت پر بلاتا ہے تو اس کی دعوت قبول کرنا واجب نہیں ہوتا صرف جائز ہوتا ہے۔ بعض اہل علم نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا قول نقل کیا ہے کہ امام کے نزدیک غیر مسلم کی دعوت قبول کرنا واجب ہے۔[37]

لیکن علامہ ابن قدامہؒ نے اس قول کو رد کیا ہے کہ واجب نہیں صرف جائز ہے، تاہم بحیثیت مسلمان یہ لازم ہے کہ غیر مسلم کی تقریب میں کوئی حرام شے نہ کھائی جائے اور نہ ہی وہاں منکرات پر خاموشی اختیار کرے بلکہ حتی الامکان اصلاح کی کوشش کرے۔

غیر مسلموں کے تحفے قبول کرنا

نبی اکرم ﷺ کی سنت سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ کسی دشمن غیر مسلم کا تحفہ قبول نہیں کرتے تھے البتہ جن غیر مسلموں کا مسلمانوں سے کھلی جنگ نہ ہو آپ ﷺ ان کا تحفہ قبول فرماتے تھے اس حوالے احادیث تواتر تک پہنچی ہیں۔

حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ :

اهديت للنبیﷺ ناقة فقال؛أسلمت ؟فقلت لا،فقال النبیﷺ انی نهيت عن زبد المشركين۔[38]

ترجمہ: میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو ایک اونٹنی ہدیہ کی تھی، آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں اسلام لے آیا ہوں؟ میں نے نفی میں جواب دیا تو فرمایا: مجھے مشرکین کے تحفے تحائف (زبد کا معنی فالتو، فاضل، اور جھاگ) لینے سے منع کیا گیا ہے۔

امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے عیاض بن حمار کا ھدیہ دو وجوہ سے لوٹایا تھا۔

پہلی وجہ یہ تھی کہ ان کو احساس دلانا تھا کہ وہ اسلام کے بارے میں سوچیں اور اسلام قبول کر لیں۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ ہدیہ لینے والے کی دل میں دینے والے کیلئے نرم گوشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ جبکہ رسول اکرم ﷺ کیلئے یہ جائز نہ تھا کہ کسی مشرک کیلئے آپ ﷺ معمولی میلان بھی پایا جائے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے نجاشی رضی اللہ کے ہدایا قبول کر لیتے تھے۔ اس سے زیر بحث حدیث کا تعارض نہیں ہوتا، کیونکہ حضرت نجاشی رضی اللہ شروع سے مشرک نہیں تھے، بلکہ اہل کتاب میں سے تھے۔[39]

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ امیر قبط نے اللہ کے رسول ﷺ کو دو قبطی بہنیں باندی کے طور پر ہدیہ کی تھیں اور ایک خچر بھیجا تھا۔ خچر کو تو آپ ﷺ نے اپنی سواری بنالیا اور ایک باندی کو اپنے حرم میں داخل فرمایا جن سے آپ ﷺ کے صاحب زادے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے، جبکہ دوسری باندی کو آپ ﷺ نے حضرت حسان بن ثابت انصاری کے حوالے فرمایا۔ أُهدى امير القبط لرسول الله ﷺ جاريتين اختين قبطين وبغلة فاما البغلة فيركبها،واما احدى الجاريتين فتسراها فولدت له ابراهيم واما الأُخرى فاعطاها حسان بنثابت الانصاری ۔[40]

---

[37] ذکی الرحمن، مسلم اقلیتوں کے شرعی مسائل، ص756

[38] مسند احمد،17482،ترمذی،1577

[39] معالم السنن:107/3

[40] طبرانی ،المعجم الاوسط، 3549

اور دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مقوقس کی طرف حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو اس پیغام کیساتھ بھیجا تھا کہ حاطب کا اکرام کیا جائے اور ان کیساتھ حسن سلوک کیا جائے، اس نے جواب میں رسول اکرم ﷺ کو حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں یہ تحریر بھجوائی کہ میرے علم میں تھا کہ ایک نبی آنا باقی ہے، لیکن میرا اندازا تھا کہ وہ شام میں آئے گا، اس نے اللہ کے رسول ﷺ کو حضرت ماریہ رضی اللہ عنہ کنیز کے طور پر ہدیہ دی گئیں تھیں جن کے بطن سے اللہ کے رسول ﷺ کے صاحب زادے حضرت ابراہیمؑ پیدا ہوئے۔ اور ایک خچر ہدیہ تھا اور اس کے علاوہ اور بھی کچھ چیزیں بھیجی تھیں، جنہیں رسول اللہ ﷺ نے قبول فرمایا تھا۔

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ دومۃ الجندل علاقے کے فرمانروا "اکیدر" نے رسول اللہ ﷺ کو کپڑے کا ایک جوڑا (حدیث میں لفظ "حلۃ" وارد ہوا ہے جس کے معنی ازار اور چادر کے مجموعے کے آتے ہیں۔ حلۃ ہونے کیلئے کم از کم دو کپڑوں کا پایا جانا ضروری ہے۔[41]) کا ہدیہ پیش کیا تھا۔

ان اکیدر دومة الجندل اهدی لرسول الله ﷺ حلة۔[42]

اور دوسری روایت میں ہے کہ:

ان اکیدر دومة اهدی الی النبی ﷺ ثوب حریر فاعطاه علیاً فقال شققه خمراً بین الفواطم۔[43]

ترجمہ: کہ دومۃ کے اکیدر نے اللہ کے رسول ﷺ کو ریشم کا لباس ہدیہ کیا تھا جسے آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عطا کر دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اس کپڑے کو پھاڑ کر خاندان کی عورتوں میں بانٹ دیا تھا۔

خلاصہ کلام

بعض روایات نفی میں وارد ہیں اور بعض اثبات میں، یعنی بعض روایات اس بات کی نفی کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غیر مسلموں سے تحائف قبول نہیں کئے ہیں اور بعض روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غیر مسلموں سے تحائف قبول کئے ہیں۔

ان دو طرح احادیث کے بارے میں علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ:

امام طبری نے دونوں طرح کی احادیث میں تطبیق کرتے ہوئے کہا ہے کہ آپ ﷺ ایسے حربی کافر کا تحفہ قبول نہیں کرتے تھے جو خصوصاً آپ ﷺ کو تحفہ دینا چاہتے تھے، البتہ جن حربی کافروں کی طرف سے تحائف تمام امت مسلمہ کیلئے پیش کئے جاتے تھے آپ ﷺ قبول فرماتے تھے اور بعض اہل علم نے یہ توجیہ کی ہے، کہ رسول اللہ ﷺ ان کافروں کے تحائف رد کرتے تھے جن کا مقصد ہدیہ کرنے سے تقرب حاصل کرنا

---

[41] فیروز آبادی، القاموس المحیط، ص 395، مادۃ

[42] مسلم، صحیح مسلم: 1469، بخاری، صحیح بخاری: 2616۔

[43] مسلم، صحیح مسلم، ج6، ص142

اور موالات قائم کرنا ہوتا تھا، اور ان لوگوں کے تحائف قبول فرماتے تھے جن سے اسلام لانے کی امید ہوتی تھی۔ اور اسلام کے خاطر جن کی تالیف قلب مقصود ہوتی تھی۔

اور ایک قول یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اہل کتاب کے تحائف قبول فرماتے تھے اور بت پرستوں کے تحائف قبول نہیں کرتے تھے۔[44]

بعض اہل علم کے نزدیک جن احادیث میں ممانعت وارد ہوئی ہے ناسخ ہے ان احادیث کیلئے جن میں جواز ہے۔

لیکن قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں: کہ یہ بعض علماء کی رائے ہے لیکن جمہور اہل علم کے نزدیک احادیث میں کوئی نسخ نہیں ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے جس سے بھی تحفہ قبول کیا وہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے بلا قتال حاصل ہونے والے مال غنیمت (مال فیئ) کے حق تملیک کو آپ ﷺ کی ذات سے مخصوص قرار دیا ہے۔[45]

اس حوالے سے ذکی الرحمٰن فلاحی حفظہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"ہمارے نزدیک اللہ کے رسول ﷺ کا حربی اور غیر حربی غیر مسلموں کے ہدایا قبول کرنا متواتر سنت سے سے ثابت ہے، لہٰذا اسی کو اصل حیثیت حاصل ہوگی۔ اس کے برخلاف ممانعت کی جو احادیث وروایات ملتی بھی ہے وہ سب کی سب اپنی کثرت اور قوت کے باوجود احادیث اباحت کا علی الاطلاق معارضہ نہیں کرپاتیں بہ ظاہر اولیٰ وافضل یہی ہے کہ غیر مسلموں کے ہدایا کا قبول کرنا اور نہ کرنا اجتماعی اور دینی مصالح کے تابع رکھا جائے۔[46]

غیر مسلموں کو تحفے دینا

اس بات پر اہل علم متفق ہیں کہ غیر مسلموں کو ان کی دینی رسومات اور تہواروں کے مواقع پر تحائف اور مبارکباد دینا حرام ہے کیونکہ ایسا کرنے سے ان کے دینی تہواروں کی تعظیم کا پہلو نکلتا ہے اور یہ ایک طرح ان کی مدد کرنا ہے۔ اس لئے کسی مسلمان کیلئے جائز نہیں ہے کہ کفریہ اعمال کو فروغ دینے میں مدد کرے۔[47]

لیکن اگر کوئی دینی مناسبت نہیں پائی جاتی ہے تو عام حالات میں غیر مسلموں کو تحفہ دینا نہ صرف جائز ہے، بلکہ دعوت دین اور صلہ رحمی اور بر واحسان کو دیکھتے ہوئے انہیں تحفہ دینا ایک طرح استحباب کا عمل بن جاتا ہے۔

عام حالات میں غیر مسلم کو تحفہ دینا جائز ہے اس کی دلیل میں سورۃ ممتحنہ کی وہ آیت پیش کیجاتی ہے جو پہلے ذکر ہو چکی ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[44] حافظ ابن حجر، فتح الباری، ج 5، ص 231

[45] ذکی الرحمٰن غازی، مسلم اقلیتوں کے شرعی مسائل، ص770

[46] ذکی الرحمٰن غازی، مسلم اقلیتوں کے شرعی مسائل، ص771

[47] ابن تیمیہ، اقتضاء الصراط المستقیم، ج2 ص552۔

لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ۔[48]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرو جنھوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ نہیں کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ہے۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ غیر مسلموں کیساتھ نیکی واحسان کرنے کو مباح بیان کیا ہے بہ شرطیکہ ہماری ان کے ساتھ کھلی عداوت نہ پڑی ہو۔ بر واحسان کے عموم میں انہیں تحفہ دینا بھی آجاتا ہے اگر غیر مسلم حضرات قرابت دار ہیں تو ان کو ہدیہ دینے میں صلہ رحمی کا ثواب بھی ملے گا۔[49]

امام بخاریؒ نے باب قائم کیا ہے جس کا عنوان ہے "باب الھدیۃ للمشرکین "یعنی مشرکین کو تحفہ دینے کا باب۔

اس باب میں امام بخاریؒ نے حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنھما کا واقعہ اور حدیث ذکر کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک سیرائی لباس کو اپنے بھائی کے پاس ہدیہ میں بھیجا تھا جو مکہ میں مقیم تھے اور اسلام نہیں لائے تھے۔

انه ارسل بحلة سيراء الى اخ له من اهل مكة قبل ان يسلم۔[50]

مذکورہ تمام تفصیلات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ غیر مسلموں کے تحائف قبول کرنا جائز ہے اور ان کے میں جوابی تحفہ بھی دیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے۔[51]

یہ بات بھی سمجھنا ضروری ہے کہ اگر کسی مسلمان کو معلوم ہو جائے کہ جس چیز کا تحفہ مجھے دیا جا رہا ہے وہ حرام ہے تو اس تحفے کو قبول کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔

- **غیر مسلموں سے تشبہ اختیار کرنا**

دین حق اسلام ایک ممتاز دین ہے، اور ایک ممتاز شریعت لے کر آیا ہے۔ جو اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس دین کے پیروکار اس کے رنگ میں مکمل رنگ جائے اور دوسرے تمام رنگوں اور شکلوں سے متنفر ہو جائے۔

اور اسی اسلامی تشخص اور امتیاز کا فائدہ مسلم اقلیت کو کسی حد تک بھی حاصل ہوتا ہے کہ جن غیر مسلم ممالک میں مسلم اقلیتین آباد ہیں وہاں کے افراد کو اسی امتیازی تشخص کی روشنی میں صحیح اسلامی زندگی سے آگہی نصیب ہوتی ہے

دین اسلام کے پیروکاروں کا امتیاز معنوی ومادی دو سطحوں پر ہو سکتا ہے، معنوی امتیاز کے دائرے میں اسلامی اخلاق ومعاملات اور سماجی جہتیں شامل ہیں جب کہ مادی امتیاز میں نام، ہئیت اور خارجی مظہر اور بیرونی شناخت شامل ہے۔

---

48 المتحنة:8

49 جصاص ،احكام القرآن ،ج 2 ص 179

50 بخاری، صحيح البخاری:2619 ۔

51 ذکی الرحمٰن فلاحی غازی، مسلم اقلیتوں کے شرعی مسائل، ص776

اور مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان دونوں سطحوں پر غیر مسلموں سے اپنا امتیازی شناخت قائم کرنے کی بھرپور کوشش کریں۔اور یہ بات سمجھنا انتہائی ضروری ہے کہ ان دونوں سطحوں کے مابین بہت گہرا رشتہ پایا جاتا ہے۔ چنانچہ کوئی مدعی اسلام کسی دوسرے دین اور مذہب والوں جیسی ظاہری شکل وصورت اختیار کرتا ہے تو بجا طور پر یہ توقع رکھی جاسکتی کہ باطن میں بھی وہ اسی دین کا پیروکار ہوگا، یا اسمیں داخل ہونے کا متمنی ہوگا۔[52]

اس سلسلے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

کہ ظاہری وضع وقطع اور شکل میں کسی سے مشابھت کرنے کے نتیجے میں دونوں کے مابین ایک طرح کی مناسبت اور مماثلت پیدا ہو جاتی ہے جو آہستہ آہستہ شکل وصورت سے گزر کر اخلاق وکردار اور قول وفعل میں بھی اتحاد پیدا کر دیتی ہے۔[53]

اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ کے بہت سارے ارشادات ایسے وارد ہوئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ منشائے رسالت یہی تھا کہ امت مسلمہ کے تمام افراد اپنے عقائد واعمال کی طرح اپنی ظاہری وضع وقطع میں بھی دیگر ملتوں اور قوموں سے ممتاز ہوکر دنیا میں رہیں۔ مثال کے طور پر رسول ﷺ کا یہ ارشاد مبارک ہے کہ:

إِنَّ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى لَا يَصْبُغُونَ (يَصْبِغُونَ) فَخَالِفُوهُمْ ۔[54]

ترجمہ: یقیناً یہود ونصاری خضاب نہیں لگاتے ہیں اس لئے تم ان کی مخالفت میں ایسا کرو۔(اور خضاب لگاؤ)۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

اس حدیث اور اسی طرح دیگر احایث سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ یہود ونصاری کی ملتوں اور ان کی طرح تمام باطل ملتوں کی مخالفت کرنا اللہ سبحان وتعالٰی کو مطلوب ہے۔[55]

اسی طرح ایک ارشاد اور بھی ہے کہ:

خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ أَحْفُوا الشَّوَارِبَ، وَأَوْفُوا اللِّحَى[56]
ترجمہ: مشرکین کی مخالفت اختیار کرو اور مونچھوں کو کترواور داڑھیوں کو بڑھاؤ۔

اور اسی طرح نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

خالِفُوا اليهودَ فإنَّهم لا يُصَلُّون في نِعالِهم ولا خِفافِهم ۔[57]

[52] ذکی الرحمٰن غازی، مسلم اقلیتوں کے شرعی مسائل، ص239۔
[53] ابن تیمیه ،اقتضاء الصراط المستقیم، ج 1 ص 165
[54] بخاری،صحیح بخاری، کتاب الانبیاء ۔3462
[55] ابن تیمیه ،اقتضاء الصراط المستقیم، ج 1 ص165
[56] مسلم،صحیح مسلم، باب خصال الفطرة،5893
[57] ابوداؤد،سنن ابی داؤد ،باب الصلوة فی النعل،652

ترجمہ: یہودیوں کی مخالفت کرو کیونکہ وہ اپنی چپلوں اور موزوں میں نمازیں ادا نہیں کرتے ہیں۔

ان جیسی احادیث سے یہ بات واضح ہو جاتا ہے کہ غیر مسلموں کی ظاہری مخالفت کرنا اور ان ہی کے رنگ میں نہ رنگ جانا ایک شرعی مقصد اور دینی تقاضا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

کہ اگر ہم تسلیم کر لیں کہ غیر مسلموں کی مخالفت اختیار کرنے سے دین کا ظہور اور غلبہ ہوتا ہے اور یہ بھی مان لیں کہ رسولوں کو مبعوث کرنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ اللہ کا سچا دین تمام باطل ادیان و مذاہب کے اوپر ظاہر اور غالب ہو جائے، تو دونوں کو جوڑ دینے سے اپنے آپ یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ غیر مسلموں سے جداگانہ تشخص اختیار کرنا ان بنیادی مقاصد میں سے ایک جن کی تکمیل کیلئے انبیاءؑ و رسلؑ کی بعثت ہوتی تھی۔[58]

مذکورہ تمام گفتگو سے ہمیں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ غیر مسلموں سے مشابھت نہ کرنا اور ان کی مخالفت کرنا شریعت میں مقصود ہے۔ اب اگر کسی غیر مسلم ملک میں رہنے والا مسلمان اقلیت کسی دینی مصلحت کی بنیاد پر غیر مسلموں سے مشابہت اختیار کرے تو انہیں اختیار ہو گا اور یہ جائز ہو گا۔

- **غیر اسلامی تعلیمی اداروں میں پڑھانا:**

مسلمانوں کے دور عروج میں غیر مسلم طلبہ تعلیم حاصل کرنے کیلئے، اسپین، اور مصر کی اسلامی یونیورسٹی میں آتے تھے۔ اور مسلمان تہذیب کی ہر چیز کی نقالی کرتے تھے۔ راجر بیکن (آکسفورڈ یونیورسٹی کا بانی) نے جب مسلم تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کر کے واپس برطانیہ گیا تو مسلمانوں کی طرح جُبہ میں ملبوس رہتا تھا اور عربی کتابوں کا مطالعہ کرتا تھا، یہاں تک کہ عیسائی اسے نفرت سے "محمد بیکن" کہنے لگ گئے تھے یہ تو مسلمانوں کے دور ر عروج کی صورتحال تھی۔ پھر مسلمانوں کے زوال کا دور شروع ہوا، مغرب کی سامراجی طاقتیں بھوکے بھیڑیوں کی طرح عالم اسلام پر ٹوٹ پڑیں۔ امریکا کے یہودی مفکر اور پروفیسر نیل پوسٹ مین" کے بہ قول برطانیہ کا طریقہ حکومت یہ تھا کہ پہلے وہ کسی ملک میں اپنی بحری فوج بھیجتے تھے، پھر بری فوج، پھر انتظامیہ، پھر اس ملک میں اپنا تعلیمی نظام نافذ کر کے اس ملک کو سیاسی آزادی اور دائمی ذہنی غلامی عطا کر دیتے تھے۔

اس طریقے سے برطانیہ نے مسلمان ممالک پر قبضہ کرنے کے بعد وہاں یونیورسٹیوں اور اسلامی مدارس کو مفلوج بنا دیا۔[59]

تیونس کی جامعہ سلفیہ آخری درسگاہ تھی جس پر برطانیہ نے اپنا تیشہ چلایا۔ اس کے بعد جن ممالک پر برطانیہ نے قبضہ کیا تھا، وہاں لادینی اسکولوں اور کالجوں کا ایسا جال پھیل گیا جن کی بنیاد برطانوی نظام تعلیم تھی۔ اور ان تعلیمی اداروں میں وہ تمام بیماریاں پھیل گئیں جو برطانوی اور امریکی تعلیمی اداروں میں تھیں، اور انہیں بیماریوں میں ایک بڑی بیماری مخلوط نظام تعلیم کی بیماری ہے، فی الوقت یہ بیماری اسلامی مدارس کے علاوہ دنیا کی تقریباً ہر ادارے میں سرایت کر گئی ہے۔ مسلم اقلیت جن ممالک میں آباد ہیں وہاں کی تعلیمی اداروں کا بھی یہی حال ہے۔ اسلام نے مسلمانوں کو ایک جامع اور اعلیٰ نظام معاشرت دیا ہے جس میں مخلوط محفلوں اور مجلسوں کی اجازت نہیں ہوتی۔

---

[58] ابن تيميه، اقتضاء الصراط المستقيم، ج 1، ص 186

[59] ذکی الرحمٰن غازی، مسلم اقلیتوں کے شرعی مسائل، ص 267

رسول اللہ ﷺ یقیناً انسانی تاریخ کے سب سے کامیاب استاد اور معلم تھے۔ مگر رسول اللہ ﷺ کا طالب علموں کو پڑھانے کا طریقہ مخلوط تعلیم پر مشتمل نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اصحاب صفہ (جو مرد صحابہ کرام رضی اللہ عنھم) کی تعلیم کے لئے علیحدہ دن مقرر کئے ہوئے تھے اور خواتین کی تعلیم کیلئے علیحدہ دن۔ اسی طرح ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا طریقہ تعلیم بھی ایسا تھا کہ وہ مردوں کو تعلیم پردے کے پیچھے سے دیتی تھیں۔

حتٰی کہ پوری تاریخ اسلامی میں ان کی درسگاہیں لڑکیوں کیلئے علیحدہ ہوا کرتی تھیں۔[60]

غیر مسلم ممالک میں رہنے والے مسلم اقلیتوں کو بہت زیادہ خطرات اور چیلنجیز کا سامنا ہے اور ان میں سے ایک اہم میدان تعلیم کا میدان بھی ہے۔

بعض سیکولر ملکوں نے یہ لازم قرار دیا ہے کہ بچوں کو ابتدائی تعلیم لادینی اسکولوں میں ہی پڑھائی جائے۔

اس وجہ سے ان اسکولوں میں پڑھنے کی فوائد کیساتھ ساتھ اس کے نقصانات بھی بہت زیادہ ہیں۔

سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ کیا مسلمان کا کسی غیر مسلم کو اپنا استاد بنانا جائز ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جائز ہے بشرطیکہ تعلیم و تعلم کے اس عمل کے نتیجے میں کسی شرعی ممانعت کا ارتکاب لازم نہ آتا ہو، مثال کہ طور پر یہ اندیشہ نہ ہو کہ غیر مسلم استاد اسلام کے مخالف افکار و نظریات کی تبلیغ اپنے طلبہ پر پیش کرے گا۔ یا فحش انداز میں لڑکے اور لڑکیوں کیساتھ بٹھا کر تعلیم دے گا وغیرہ۔ اگر یہ سب دینی خطرات نہ پائے جائیں تو کسی غیر مسلم میں سے سیکھنا جائز ہے۔

جیسا کہ مسند احمدؒ میں ہے: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

كان ناس من الأسرى يوم بدر لم يكن لهم فداء فجعل رسول الله صلى الله عليه و سلم فداءهم ان يعلموا أولاد الأنصار الكتابة ۔[61]

ترجمہ: جنگ بدر کے دن کچھ ایسے لوگ بھی قیدیوں میں شامل تھے۔ جن کے پاس آزادی کا فدیہ دینے کیلئے مالی معاوضہ نہیں تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے حق میں یہ تجویز فرمایا کہ ایسے لوگ انصاری بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھادیں۔

اس روایت سے یہ بات واضح ہے کہ غیر مسلم کا کسی مسلمان کو تعلیم دینا فی نفسہ جائز امر ہے۔ البتہ اگر مذکورہ مفاسد پائے جائے تو پھر اس طرح تعلیمی اداروں سے اجتناب ضروری ہے۔

اس حوالے سے ذکی الرحمٰن غازی لکھتے ہیں:

ہماری رائے یہ ہے کہ اگر کسی غیر مسلم ملک میں اس طرح کے تعلیمی ادارے ہی میسر ہوں جہاں مسلم بچوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کیا جانا بغیر دین وایمان خطرے میں ڈالے ممکن نہ ہو، تو وہاں کے مسلمان اپنی نسلوں کو بے تعلیم نہ چھوڑیں اور غیر اسلامی تعلیم گاہوں میں ہی ان کی تعلیم کا نظم

---

[60] ذکی الرحمٰن غازی، مسلم اقلیتوں کے شرعی مسائل، ص 268

[61] مسند احمد:247/1۔ مستدرک حاکم :140/2

کر دیا جائے، مگر آخری حد تک کوشش و کاوش یہ کی جائے کہ ایسے تعلیمی اداروں کے ایمان سوز اور اخلاق شکن اثرات بچوں کی سیرت و کردار پر نہ پڑنے پائیں اور مسلمان ہو کر بھی ہماری نسلیں غیر اسلامی افکار و نظریات کی حامل اور مخالف دین اعمال و حرکات کی مرتکب نہ ہونے پائیں۔[62]

مشرک عورت سے نکاح کرنا

اہل علم کا اس بات پر اتفاق رہا ہے کہ مشرک خواتین سے شادی کرنا حرام ہے۔ مشرک سے مراد وہ تمام کفار ہیں جن کے پاس کوئی آسمانی کتاب اور شریعت نہ پائی جاتی ہو اور نہ ہی اس کے مشابہ کوئی اور چیز ہو، جیسا کہ بت پرست قوموں اور ملتوں کا حال ہے، پھر چاہے مشرکین عورتوں کا تعلق عرب بت پرست سے ہو یا غیر عرب بت پرستوں سے ہو وہ عرب ملحدین کے زمرے میں آتی ہو یا عجمی کافروں کے، یا پھر وہ دین اسلام سے مرتد ہو گئی ہوں، بہت سارے علمائے دین کی تصریح کے مطابق یہ ایک اجماعی مسئلہ ہے۔[63]

لیکن معاصر دور کے علماء میں سے شیخ رشید رضا نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ:

غیر عرب مشرک خواتین سے نکاح کرنا حلال ہوتا ہے البتہ عرب کی مشرک خواتین سے نکاح کرنا حرام ہے، اور یہ کہ قرآن و حدیث میں جتنی نصوص بھی اس سلسلے میں وارد ہوئی ان سب کا محل انطباق جزیرۃ العرب کی مشرک خواتین ہیں، عرب سے باہر کی مشرک خواتین نہیں ہیں۔[64]

اس کی تردید میں ذکی الرحمٰن صاحب لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک شیخ رضا مصری کا یہ کھلا ہوا انحراف اور فقہی شعبدہ ہے۔ اس کی تائید میں کوئی شرعی نص یا اجتہادی فیصلہ نہیں پایا جاتا۔[65]

یہاں پہلے جمہور علمائے سلف و خلف نے حرمت کے اجماعی شرعی حکم کے جو دلائل دیئے ہیں، انہیں درج کیا جاتا ہے۔ پہلی دلیل ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ وَآتُوهُمْ مَا أَنْفَقُوا وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَاسْأَلُوا مَا أَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْأَلُوا مَا أَنْفَقُوا ذَلِكُمْ حُكْمُ اللَّهِ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۔[66]

ترجمہ "اے لوگوں جو ایمان لائے ہو جب مؤمن عورتیں ہجرت کر کے تمہارے پاس آئیں تو (ان کے مؤمن ہونے کی) جانچ پڑتال کر لو۔ اور ان کے ایمان کی حقیقت اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ پھر جب تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ مؤمن ہیں تو انہیں کفار کی طرف واپس نہ کرو۔ نہ وہ کفار کیلئے حلال ہیں اور نہ کفار ان کیلئے حلال ہیں۔ ان کے کافر شوہروں نے جو مہر ان کو دیئے تھے وہ انہیں پھیر دو۔ اور ان سے نکاح کر لینے میں تم پر کوئی گناہ نہیں

[62] ذکی الرحمن، مسلم اقلیتوں کے شرعی مسائل، ص277
[63] كاسانى ،بدائع الصنائع :270/2) سرخسى ،المبسوط :211/4
[64] رشيد رضا ،مجلة المنار:260/12
[65] ذکی الرحمن، مسلم اقلیتوں کے شرعی مسائل، ص793
[66] الممتحنة:10

جبکہ تم ان کے مہران کو ادا کردو۔اور تم خود بھی کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ روکے رہو۔جو مہر تم نے اپنی کافر بیویوں کو دیئے تھے انہیں وہ واپس مانگ لیں۔یہ حکم اللہ کا ہے، تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور اللہ علیم وحکیم ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

لَا هُنَّ حِلٌّ لَهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ} [الممتحنة: 10] يَقُولُ تَعَالَى ذِكْرُهُ لِلْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ النِّسَاءُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ مِنْ دَارِ الْكُفْرِ إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ فَامْتَحِنُوهُنَّ وَكَانَتْ مِحْنَةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِيَّاهُنَّ إِذَا قَدِمْنَ مُهَاجِرَاتٍ۔[67]

یعنی مؤمن نہ مومن عورتیں کافروں کیلئے حلال ہیں اور نہ کافر مرد مؤمن عورتوں کیلئے حلال ہیں۔اسی طرح({بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ}۔اور تم خود بھی کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ روکے رہو۔

آیت کے ان دونوں ٹکڑوں کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندوں کو جو نزول قرآن کے وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنھم تھے،اللہ انہیں مخاطب کرکے فرماتا ہے کہ اے ایمان لانے والو! تم کافر عورتوں کے ساتھ تعلقات اور روابط کی رسیاں تھامے نہ رہو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو منع فرمارہا ہے کہ وہ بت پرست مشرک عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ لیں،بلکہ ان سے یک گونہ دوری اختیار کرلیں۔[68]

علامہ ابن قدامہ ؒ لکھتے ہیں:

اہل علم کا اجماع ہے کہ غیر اہل کتاب کفار کی عورتوں سے نکاح نہیں کیا جائے گا۔[69]

ابن الھمام ؒ حنفی لکھتے ہیں:

"بت پرست خواتین سے نکاح کرنا جائز نہیں، یہ نص سے بھی ثابت ہے اور اجماع سے بھی"۔[70]

علامہ ابن رشد ؒ لکھتے ہیں:

"سب کا اتفاق ہے کہ کسی بھی مسلمان کا بت پرست خاتون سے نکاح جائز نہیں"۔[71]

خلاصہ کلام

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن وسنت کی نصوص،اجماع امت اور سلف صالحین کے اقوال سے یہ بات یقین کی حد تک پہنچ جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کیلئے مشرک عورتوں کا نکاح میں لانا حرام کردیا ہے اور اہل علم کے مابین یہ ایک اجماعی مسئلہ ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

[67] محمد بن جرير بن يزيد بن كثير بن غالب الآملي ،أبو جعفر الطبري،تفسير الطبري،جامع البيان عن تأويل آي القرآن،ج 22 ص575

[68] محمد بن جرير بن يزيد بن كثير بن غالب الآملي، أبو جعفر الطبري ،تفسير الطبري ،(جامع البيان عن تأويل آي القرآن)

[69] ابن قدامه،المغنى 794/9

[70] ابن الهمام ،فتح القدير، 231/3

[71] ابن رشد،بدائة المجتهد،44/2

نتائج البحث

اقلیات کالغوی مفہوملفظ اقلیت (Minority) اکثریت (Majority) کی ضد ہے دراصل اقلیات جمع ہے اوراس کاواحد اقلیت ہے، اقلیت اکثریت کے خلاف استعمال ہوتا ہے۔[72] اوراقلیت کالفظ قلت سے مأخوذ ہے جس کے معنی ناقص ونامکمل ہونے یانادرونایاب ہونے کے آتے ہیں، اقلیت ایک ایسے انسانی گروہ کانام ہے، جو قومی، نسلی، مذہبی یالسانی بنیادپر متحد ہواور ملک میں موجوددوسرے بااختیار گروہوں سے مختلف ہو، یاہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مسلم اقلیت سے مراد ہر ایساانسانی مجموعہ لیاجائے جودین حق اسلام سے اطاعت کی نسبت رکھتا ہواور ایک دوسرے انسانی جماعت کے ساتھ رہتاہو جوکہ دینی لحاظ سے اس سے مختلف ہے، اوراس جماعت ہی کو مسلمان گروہ پر سیادت اور بالادستی حاصل ہو۔ اب رہافقہ الاقلیات توا س سے مراد غیر اسلامی ممالک میں آباد مسلمانوں کے مخصوص ماحول اور حالات کو پیش نظر رکھ کر فقہاء کی طرف سے دیئے جانے والے ان مسائل کے وہ حل ہیں جو مسلمانوں کواس وقت درپیش ہیں، اب ہم اگر عصر حاضر میں مسلم اقلیت کے بارے میں دیکھیں توعصر حاضر میں مسلم اقلیت کے حوالے سے ایسے یقینی اعداد وشمار نہیں ملتے ہیں جن کی روشنی میں قطعیت کیساتھ بتایاجاسکے کہ دنیابھر میں غیر مسلم ممالک کے اندر اقلیت کی حیثیت سے زندگی گزارنے والے مسلمانوں کی مجموعی تعداد کتنی ہے۔ مختلف اعداد وشمار سے جو معلومات حاصل ہوتی ہے وہ باہم دگر متناقض اور مختلف ہیں، بعض محققین نے مسلم اقلیتوں کو جملہ مسلمانوں کی آدھی آبادی قرار دیاہے، اور بعض نے انہیں ایک تہائی آبادی ماناہے۔ غیر مسلم ممالک میں جو مسلم اقلیت رہائش پزیر ہیں ان کو مختلف مسائل درپیش ہیں، ذیل میں چند کاخلاصہ ذکر کیاجائے گا۔ غیر مسلموں کے تہواروں میں شرکت کرنا۔ توجو غیر مسلموں کے عیدیں اور تہواریں ہیں ان میں شرکت کرناجائز نہیں ہے اورنہ ان کو ان کے تہواروں پر مبارکباد دیناجائز ہے البتہ اگر کسی غیر مسلم کے گھر کوئی ایسی خوشی ہو جو عام لوگوں کو درپیش ہوتی ہو جیسے شادی بیاہ، اولاد کی پیدائش، نئی گاڑی لینے تواس پر مبارکباد پیش کرناجائز ہے۔ اسی طرح کتابیہ عورت سے نکاح کرنا: جمہور اہل علم اور فقہائے کرام نے کتابیہ خواتین سے نکاح حلال ماناہے اور دلائل کے اعتبار سے یہ مسلک قوی ہے۔

[72] ابن منظورافریقی ،لسان العرب،(بیروت ،دارصاد ،لبنان)ج 12،ص180